نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پانچ عظیم الشان اوصاف

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پانچ عظیم الشان اوصاف

(فرمودہ ۸۔ نومبر ۱۹۳۱ء برموقع جلسہ سیرۃ النبی بمقام لاہور)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

مجھے کئی دن سے بخار اور نزلہ کی شکایت ہے اور بیماری کی وجہ سے میں یہ خیال کرتا تھا کہ آج لاہور میں اس مقدس مضمون کے متعلق جو میرے نزدیک نہ صرف مسلمانوں کیلئے مقدس اور ضروری ہے بلکہ تمام دنیا کیلئے اور تمام مذاہب کیلئے مفید اور بابرکت ہے کچھ بیان نہ کر سکوں گا۔ لیکن بعض حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ میں نے مناسب سمجھا' خواہ گلے کی تکلیف اور بخار کی شکایت ہو' تھوڑا بہت بلند یا پست آواز سے جس قدر بول سکوں بولوں اور اپنے صوبہ کے مرکز میں اس تحریک کے متعلق جس کی ابتداء مَیں نے کی ہے' کچھ بیان کروں اور بتاؤں کہ اس کا اصل مقصد کیا ہے۔

میں مختلف جماعتوں کی نظر میں اس اعتراض کے نیچے ہوں کہ بہت سے فتنے جو ملک میں پیدا ہوئے' ان کی تحریک مجھ سے ہوئی ہے۔ اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے اور یوں بھی آج کل حریّت کا زمانہ ہے اس لئے ہر شخص آزاد ہے کہ جو عقیدہ یا رائے چاہے رکھے اس لئے جو لوگ یہ خیال رکھتے ہیں جب تک ان کی تسلی نہ ہو جائے' ان کا حق ہے کہ اپنے خیال پر قائم رہیں۔ مگر جس طرح وہ آزاد ہیں کہ میری نیت کے متعلق جو رائے چاہیں قائم کریں اسی طرح میرا بھی حق ہے کہ جس بات کو حق سمجھوں اس کے مطابق عمل کروں۔ پچھلے چند سالوں میں مَیں نے دیکھا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات اس قدر خراب ہو گئے ہیں کہ اب ایک دوسرے کے مذہبی بزرگوں پر بھی حملے کئے جاتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں جہاں دینی تعلقات خراب ہوتے ہیں وہاں دنیوی تعلقات بھی منقطع ہو جاتے ہیں۔ میں نے اس صورت حالات پر غور کیا کہ کیا ایسی

تجویز ہو سکتی ہے کہ یہ تعلقات بہتر ہو جائیں اور اسلامی نقطہ نگاہ سے مجھے بہترین ذریعہ یہی نظر آیا کہ ایسی تحریک کی جائے کہ اپنے پیشوا' ہادی' راہنما اور درحقیقت ہمارے دین و دنیا کے درست کرنے والے کے متعلق غیر اقوام سے درخواست کی جائے کہ آپ کے بعض احباب کو ہمارے آقا کے اندر عیب ہی عیب نظر آتے ہیں' کیا کوئی ایسا بھی ہے جو خوبیوں کو دیکھ سکے اور اگر کوئی ایسا ہے تو وہ سٹیج پر آکر ان خوبیوں کو بیان کرے تا مسلمانوں کو یقین ہو کہ اگر بعض لوگ حضورؐ کے عیوب بیان کرنا اپنا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں تو چند ایسے بھی ہیں جو آپ کے اعلیٰ اوصاف اور خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں میں جو جوش اور ناراضگی اس وجہ سے ہے کہ دوسری اقوام ہمارے آقا کی توہین کرتی ہیں' وہ کم ہو جائے اور بین الاقوامی تعلقات بہتر ہو سکیں۔ یہ پہلا قدم ہے اور دوسری اقوام کا بھی حق ہے کہ ہم سے مطالبہ کریں کہ ہمارے پیشواؤں کی خوبیاں آکر بیان کرو اور میں سمجھتا ہوں جلد ہی وہ دن آنے والا ہے کہ ایک ہی سٹیج پر مختلف اقوام کے لوگ ایک دوسرے کے ہادیوں کی خوبیاں بیان کریں گے۔ اگر ہندو اور سکھ حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق نیک خیالات کا اظہار کریں گے تو مسلمان ان کے پیشواؤں کے متعلق بھی ایسا ہی کریں گے اور مسلمانوں کیلئے یہ امر کوئی مشکل نہیں کیونکہ ان کو تعلیم دی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جو ہادی گزرے ہیں وہ بہت اعلیٰ صفات اپنے اندر رکھتے تھے اور کوئی ملک ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے خالی چھوڑا ہو بلکہ ہر ملک میں نبی مبعوث کئے ہیں۔ اور جب ایسے جلسے کثرت سے کئے جائیں گے تو ملک کی حالت بہت بہتر ہو جائے گی اور ایک دن ایسا آئے گا کہ آج جیسی جھوٹ کی فضاء کی بجائے ہم صداقت کی فضاء میں پرورش پا رہے ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کوئی شخص ایسا نہیں جسے دوسروں کے بزرگوں میں کوئی خوبی نظر نہ آتی ہو اور اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو وہ یقیناً جھوٹ کی فضا میں پرورش پا رہا ہے۔ میں تو جس مذہب کی مذہبی کتاب کو بھی دیکھتا ہوں' اس میں خوبیاں پاتا ہوں اور میرا مذہب مجھے یہی بتاتا ہے کہ جب کوئی چیز کلیۃً بُری ہو جائے تو وہ دنیا میں ہرگز نہیں رہ سکتی اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا ہے۔ قرآن کریم تو شراب کے متعلق بھی یہی کہتا ہے کہ اس میں بھی بعض خوبیاں ہیں' ہاں اس کی بُرائیاں ان سے زیادہ ہیں۔ جو مذہب شراب کے متعلق بھی یہ رائے رکھتا ہو' کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ان مذاہب کے متعلق جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں انسانیت کو اس کی حدود کے اندر رکھا اور شر و فساد کو دور کیا یہ کہے کہ ان کے اندر

کوئی خوبی نہیں۔ پس ہندوستان کیلئے وہ دن بہت بابرکت ہوگا جب لوگ دوسرے مذاہب کی بُرائیاں دیکھنے کی عادت کو ترک کر کے خوبیاں دیکھنے کے عادی ہو جائیں گے۔ بعض دوست یہ اعتراض کرتے ہیں کہ میرا کوئی حق نہیں کہ ایسی تحریک کروں کیونکہ میں آنحضرت ﷺ کے محبّوں میں سے نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب ہونے والوں کو حضور ہی کا یہ جملہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهٗ [1] کیا تم نے دل چیر کر دیکھ لیا ہے؟ دنیا میں اس سے زیادہ ظلم کوئی نہیں ہو سکتا کہ کسی کی طرف وہ باتیں منسوب کی جائیں جنہیں وہ خود تسلیم نہ کرتا ہو۔ لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ صحیح ہے تو رسول کریم ﷺ نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت بعض وقت فاسق سے بھی لے لیا کرتا ہے۔ [2] اگر ایک دہریہ آکر ان باتوں کی تعریف کرے جنہیں میں مانتا ہوں تو اس کے معنی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ یہ نور اس قدر بلند ہو چکا ہے کہ غیر بھی اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ پس اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ میرے دل میں رسول کریم ﷺ کی محبت نہیں تو بھی میرے منہ سے تعریف سن کر خوش ہونا چاہئے کہ غیر بھی رسول کریم ﷺ کی خوبیوں کے معترف ہیں۔ خود رسول کریم ﷺ نے اپنے ان اوصاف کو جو غیروں نے بیان کئے روایت کیا ہے۔ چنانچہ آپ جب شام گئے تو ایک یہودی نے آپ کی تعریف کی۔ آپ نے خود اس کا ذکر کیا ہے اور اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ جو ہمارا ہم خیال نہیں وہ رسول کرم ﷺ کی تعریف ہی نہ کرے تو اس طرح خود آپ کی ذات پر اعتراض کا دروازہ کُھل جاتا ہے کیونکہ اس کے یہ معنی ہونگے کہ صرف وہی تعریف کرے جو ایمان لا چکا ہو لیکن یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اس طرح دوسری اقوام کے نیک طینت لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے اور جب منہ بند ہو جائیں تو دلوں پر بھی مُہر لگ جایا کرتی ہے۔

میرا ارادہ تھا جب میں بیمار نہیں تھا کہ آج بیان کروں رسول کریم ﷺ نے سلطنت اور بادشاہت کا کیا انتظام تجویز فرمایا لیکن بیماری کی وجہ سے حالت ایسی ہو گئی ہے کہ اتنا لمبا مضمون بیان نہیں کر سکتا اس لئے اختصار کے ساتھ آپ کے وہ چند ایک کیریکٹر جو قرآن کریم کی ایک آیت میں بیان کئے گئے ہیں، بیان کروں گا۔ اس میں اگرچہ مختلف مضامین آگئے ہیں مگر چونکہ میں اجمالی رنگ میں بیان کروں گا، اس لئے مضمون اتنا لمبا نہ ہو سکے گا۔

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ

عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ یہ کیا مختصر آیت ہے مگر اس میں آپ کے پانچ زبردست اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تمہارے پاس رسول آیا ہے۔ مِنْ اَنْفُسِكُمْ جو تم ہی میں سے ہے۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ تمہاری بہتری کیلئے حریص ہے۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ جو لوگ اس کے بتائے ہوئے طریق پر چلیں' ان کے ساتھ رافت کا سلوک کرتا ہے۔

اس آیت میں پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ رسول ہیں یعنی بھیجے ہوئے ہیں۔ اس میں آپ کی زندگی کا ایک ایسا کیریکٹر بیان کیا گیا ہے جو بہت سے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اسی وجہ سے یورپین مصنفین نے خصوصیت کے ساتھ آپ کی ذات پر اعتراض کئے ہیں۔ وہ وصف جو رسول میں بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ آپ اپنی ذات میں بڑائی کے خواہش مند نہیں آپ کو کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا کہ لوگ میری تعریف کریں۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ پیچھے رہیں اور دنیوی عزت آپ کی طرف منسوب نہ ہو سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مجبور کرتا تھا کہ یہ عزت آپ کو دے۔ رسالت سے قبل صداقت' جرأت و حوصلہ' ہمدردی' خُلق' محبت' ملنساری' ہمت' علم کی طرف میلان' لوگوں کی ترقی کی خواہش غرضیکہ سب صفاتِ حسنہ آپ کے اندر موجود تھیں مگر کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ نے کبھی بڑائی کی خواہش کی ہو۔ باوجودیکہ آپ کے اندر وہ تمام قوتیں موجود تھیں جو آپ کو دنیا کا سردار بنا سکتی تھیں۔ اگر آپ رسول نہ ہوتے تو بھی سب سے بڑے لیڈر بن سکتے تھے کیونکہ وہ تمام قابلیتیں جو لیڈر بننے کیلئے ضروری ہوتی ہیں آپ کے اندر موجود تھیں مگر ہم آپ کو سیاسی' تعلیمی' اقتصادی میدان کے لیڈروں میں نہیں دیکھتے بلکہ غارِ حرا میں محبوب حقیقی کی یاد میں مصروف پاتے ہیں اور اس پر نظر کر کے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی ذات میں باوجود ہر قسم کی قابلیت رکھنے کے بڑائی تلاش کرنے کا مادہ نہ تھا۔ چالیس سال کی عمر تک آپ آگے نہیں آئے۔ اس کے بعد جب آئے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی اور طاقت نے مجبور کر کے آپ کو آگے کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ یعنی تمہیں یہ محسوس کرنا چاہئے کہ یہ شخص جو کلام پیش کرتا ہے اس کے دل میں اپنی بڑائی حاصل کرنے کی خواہش نہیں بلکہ جب ہم نے اسے بھیجا تو یہ مجبور ہو کر آیا۔ یہ ایک ایسا کیریکٹر ہے کہ تمام انبیاء کے کیریکٹر

اس سے مشابہ ہیں اس لئے رسول کریم ﷺ کا یہ کیریکٹر سمجھنے میں کسی قوم کو دقّت پیش نہیں آ سکتی۔ جن مثالوں کی بناء پر ان قوموں نے حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت کرشنؑ، حضرت بدھؑ، حضرت زرتشتؑ کو تسلیم کیا ہے اور مانا ہے کہ ہماری خیر خواہی کے جذبات سے متأثر ہو کر وہ آگے آئے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں وہ انہیں تسلیم نہ کریں۔

ایک موٹی مثال ہندوستان کے بزرگوں میں سے حضرت بدھؑ کی ہمارے سامنے ہے ہمارے ایک ہندو دوست لالہ رام چند منچندہ صاحب نے ابھی اپنی تقریر میں شکایت کی ہے کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک میری قابلیت تھی کیونکہ سنسکرت تو میں جانتا نہیں' باقی ہندو لٹریچر کا میں نے کافی مطالعہ کیا ہے لیکن اس نگاہ سے ہرگز نہیں کہ عیب جوئی کروں بلکہ اس نیت سے کہ چونکہ میرے آقا نے کہا ہے ہر جگہ خوبیاں موجود ہیں اس لئے دیکھوں' کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں؟ اور میں نے وید' گیتا' رامائن اور گوتم بدھ سب کی تعلیمات میں خوبیاں دیکھی ہیں۔ چاہے عقائد مختلف ہوں مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان بزرگوں کو دنیا کی عمارت میں بہت اہم مقام حاصل ہے اور انہوں نے اس کی ترقی میں بہت حصہ لیا ہے۔ گوتم بدھ جب بعض واقعات سے متأثر ہو کر اپنے گھر سے نکلے تو ان کی چہیتی بیوی سو رہی تھی انہوں نے اسے جگا کر ملنا تک پسند نہ کیا کہ شاید اس کی محبت بھری نگاہیں رُکاوٹ کا موجب ہو جائیں اور آپ گھر سے یہ اقرار کر کے نکل گئے کہ جب تک خدا کو نہ پالوں نہیں لوٹوں گا۔ اب وہ کون ہندو یا مسلمان ایسا سخت دل ہو سکتا ہے جس کی چشم ان واقعات کو پڑھ کر پُرنم نہ ہو جائے۔ آپ جہاں جہاں جا سکتے تھے گئے۔ گیا[۱۸] میں جب آپ نے روحانی ترقیات حاصل کیں تو لوگ آئے تھے کہ ہمیں اپنا شاگرد بنا لو۔ مگر آپ انکار کرتے تھے حتّٰی کہ جب فکر میں گردن جھکائے رہنے والے کو خدا تعالیٰ کی آواز نے اٹھایا اور کہا جا کر لوگوں کو تبلیغ کرو تب انہوں نے تلقین شروع کی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں وقار اور عزت رکھنے کے باوجود لیڈری کی خواہش نہ کی بلکہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ حکم ملا تو آپ نے یہی کہا کہ بہتر ہو اگر یہ خدمت میرے بھائی ہارون علیہ السلام کے سپرد کر دی جائے اور جب خدا تعالیٰ نے آپ کو ہی منتخب کیا تو آپ آگے بڑھے۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کو جب الہام ہوا کہ اِقْرَاْ تو آپ نے فرمایا۔ مَا اَنَا

بِقَارِئٍ حالانکہ تفاسیر کی کتب میں لکھا ہے کہ اس وقت کوئی لکھی ہوئی چیز نہ تھی جو آپ کو پڑھنے کیلئے دی گئی۔ صرف منہ سے یہ الفاظ کہلوائے گئے تھے اور جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اصرار کے ساتھ تین دفعہ یہی کہا تو آپ نے پڑھا جس کے یہ معنی ہیں کہ آپ خود لیڈری نہیں چاہتے تھے بلکہ خدا چاہتا تھا کہ آپ کو دنیا کا راہنما بنائے اور جسے خدا بنانا چاہے اسے کون روک سکتا ہے۔ اس کیریکٹر میں آپ دوسرے انبیاء سے ایسے مشابہ ہیں کہ اگر دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے اپنے مقدس رہنماؤں اور انبیاء کے حالات پر نظر کریں تو فوراً انہیں معلوم ہو جائے کہ رسول کریم ﷺ کا یہ کیریکٹر انبیاء سے ملتا ہے' دنیا داروں سے نہیں ملتا۔

دوسری خوبی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے یہ ہے کہ **مِنْ اَنْفُسِكُمْ** یعنی یہ تم میں سے ہی ہے۔ تم میں سے ہونا بظاہر معمولی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے جس کی وجہ سے آپ راہنماؤں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ انبیاء اپنے آنے کی غرض ہمیشہ یہ بتاتے ہیں کہ دنیا کی راہنمائی کریں اور اچھا نمونہ پیش کر سکیں اور ظاہر ہے کہ اگر نمونہ ان حالات سے نہیں گزرا' اس قسم کی حرصیں اور روکیں اسے پیش نہیں آئیں جو عام لوگوں کو آتی ہیں تو وہ نمونہ نہیں ہو سکتا۔ اسی مشکل کی وجہ سے عیسائی یہ خیال کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے مگر انسان کے وجود میں آئے۔ ہندو صاحبان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ خدا کے اوتار انسانی یا دوسری مخلوقات کے بھیس میں دنیا میں آتے رہے ہیں تا وہ دنیا کیلئے نمونہ ہو سکیں گویا تمام مذاہب اس اصل کو تسلیم کرتے ہیں کہ صحیح نمونہ ہم جنس ہی ہو سکتا ہے اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس کی اور ہماری طاقتوں میں تفاوت ہوتا ہے۔ تو رسول کریم ﷺ کی ایک اور صفت اس آیت میں یہ بیان کی گئی کہ آپ **مِنْكُمْ** ہیں۔ یعنی انسانوں میں سے ہیں۔ خدا تعالیٰ بھی قرآن میں فرماتا ہے کہ کہہ دے **اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** ۵ جس کا یہ مطلب ہے کہ تم جن حالات سے فرداً فرداً گزرتے ہو محمد رسول اللہ ﷺ ایسا کامل نمونہ ہے کہ ان سب سے گزر کر تمہاری راہنمائی کر رہا ہے۔ اس میں باقی انبیاء سے آپ کی شان بالا نظر آتی ہے۔ ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک اعلیٰ درجہ کے نبی تھے لیکن یہ نہیں کہ آپ ہر زمانہ اور ہر قسم کے لوگوں کیلئے نمونہ تھے۔ مثلاً آپ کی شادی ثابت نہیں اس لئے شادی شدہ لوگوں کی متاہلانہ زندگی میں

آپ کوئی راہنمائی نہیں کر سکتے۔ آپ بادشاہ نہیں ہوئے کہ آج بادشاہ کہہ سکیں مسیح ہمارے لئے بھی نمونہ ہے۔ مگر اَنْفُسِکُمْ میں غریب ' امیر ' بادشاہ ' رعایا ' مظلوم سب شامل ہیں اور یہ سب کیلئے بولا جا سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے دنیا کی قومو! تم خواہ کسی پیشہ ' کسی مقام اور کسی درجہ کی حالت میں ہو ' کوئی جماعت ایسی نہیں کہ جس کے حالات سے محمد رسول اللہ ﷺ نہ گزرا ہو۔ بادشاہ ' غریب ' طاقتور ' مظلوم ' شادی شدہ ' صاحب اولاد ' مزدور ' زراعت و تجارت پیشہ ' غرضیکہ تم کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہو ' ہم تمہیں کہتے ہیں لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ تم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اس کی مشکلات نہیں جانتا۔ بادشاہو! تم یہ خیال نہ کرو کہ اس پر وہ ذمہ داریاں نہیں تھیں جو بادشاہوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ مظلومو! تم یہ خیال نہ کرو کہ وہ ہماری حالت کو کہاں سمجھ سکتا ہے۔ وہ تم میں سے ہر ایک کی حالت سے خود گزر چکا ہے اور تمام ضروریات و مشکلات کو سمجھتا ہے اور سب کے احساسات سے بخوبی واقف ہے اور سب کیلئے علاج پیش کرتا ہے۔

اب میں چند ایک مثالوں سے بتاتا ہوں کہ کس طرح رسول کریم ﷺ نے ہر حالت میں اعلیٰ و اکمل نمونہ دکھایا۔ سب سے پہلے میں آپ کی پہلی زندگی کو لیتا ہوں۔ آپ پر یتیمی کی حالت گزری ' آپ کے والد پیدائش سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے اور بہت چھوٹی عمر میں والدہ کا بھی انتقال ہو گیا مگر دادا کی زیر نگرانی جو باپ کا قائمقام تھا آپ نے بتا دیا کہ اخلاق کیسے ہونے چاہئیں۔ یتیم کی حالت دو قسم کی ہوتی ہے یا تو بچہ بہت ہی سر چڑھ جاتا ہے یا بہت ہی پژمُردہ۔ اگر اس کے نگران ایسے لوگ ہوں جو اس کی دلجوئی کے خیال سے ہر وقت لاڈ ہی کرتے رہیں تو اس کی اخلاقی حالت بہت گر جاتی ہے اور اگر وہ ایسے لوگوں کی تربیت میں ہو جو سمجھیں کہ ہمارا بچہ تو یہ ہے نہیں اور وہ تشدد کریں تو یتیم کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ مگر بچپن میں ہی رسول کریم ﷺ کا نمونہ ایسا تھا کہ آپ کے ہمجولی بیان کرتے ہیں گھر میں کسی چیز کیلئے آپ چھینا جھپٹی نہ کرتے تھے بلکہ وقار کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے حتّٰی کہ چچی خود بُلا کر آپ کا حصہ دیتیں پھر آپ وقار کے ساتھ ہی اس کا استعمال کرتے۔ آپ کی رضاعی والدہ کا بیان ہے کہ آپ میں ایسی سعادت تھی کہ بچے بھی حیران رہ جاتے تھے۔ رضاعی بھائی بیان کرتے ہیں آپ لغو کھیلیں نہ کھیلتے ' مذاق کر لیتے تھے مگر جھوٹی باتوں سے سخت نفرت تھی۔ اس زمانہ میں ایسی ہمدردی آپ میں تھی کہ چھوٹے بچے بھی آپ کو اپنا سردار سمجھتے تھے غرضیکہ آپ کی بچپن کی زندگی ایسی

پاکیزہ تھی کہ یورپ کے متعصب لوگ بھی لکھتے ہیں اس زندگی کا ایسا غیر معمولی ہونا ثابت کرتا ہے کہ آپ مجنون تھے۔ گویا یہ نئی بات انہوں نے دریافت کی ہے کہ جس بچے کے اخلاق اچھے ہوں، عادات و خصائل عمدہ ہوں، وہ مجنون ہوتا ہے۔ آپ والدین سے بہت محبت کا معاملہ کرتے تھے۔ جس قسم کا حسن سلوک آپ نے ابو طالب اور ان کی بیوی سے کیا ہے اس کی نظیر اس کے سگے بیٹوں میں بھی نہیں ملتی۔ فتح مکہ کے بعد لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کس مکان میں ٹھہریں گے۔ آپ نے بغیر کسی قسم کے غصہ کے فرمایا۔ عقیل نے کوئی مکان باقی چھوڑا ہے کہ اس میں ٹھہریں یعنی چچا زاد بھائیوں نے سب بیچ دیئے ہیں۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ باپ کی محبت کو ابو طالب کے متعلق قائم رکھا بلکہ تعلیم دی کہ ماں باپ کو اُف کا کلمہ بھی نہ کہو۔ یہی وہ سلوک ہے جو آپ نے اپنے چچا سے کیا۔

نبوت پر فائز ہونے کے بعد آپ کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ مکہ کی مخالفت انتہاء پر پہنچ گئی ہے، رؤسائے قریش نے ابو طالب کو دھمکی دی ہے کہ اگر تم نے محمد کو نہ روکا تو تمہیں بھی نقصان اٹھانا پڑے گا ابو طالب اس دھمکی سے گھبرا گئے۔ جب رسول کریم ﷺ گھر آئے تو انہوں نے بلا کر کہا۔ بیٹا! مکہ کے رئیس اس طرح کہتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی ایسی پالیسی اختیار کر لو جس سے ان کی بھی دلجوئی ہو جائے۔ میں سمجھتا ہوں آنحضرت ﷺ کی افسردگی کی گھڑیوں میں سے یہ سخت ترین گھڑی تھی۔ ایک طرف وہ شخص تھا جس نے نہایت محبت سے پالا تھا اور جس کے پاؤں میں کانٹا لگنا بھی آپ گوارا نہ کر سکتے تھے اسے ساری قوم ذلیل کرنے اور نقصان پہنچانے کی دھمکی دے رہی تھی۔ دوسری طرف خدا تعالیٰ کی صداقت کا اظہار تھا۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے کہا چچا! میں ساری تکالیف برداشت کر لوں گا مگر خدا کا پیغام پہنچانے سے نہیں رہ سکتا۔ ابو طالب اس بات سے بخوبی واقف تھے اور وہ جانتے تھے کہ اس راہ میں اگر آپ کو اپنے خون کا آخری قطرہ بھی گرانا پڑے تو آپ اس سے دریغ نہ کریں گے۔ انہوں نے آپ کا جواب سن کر کہا جا! جو تجھے خدا نے کہا ہے لوگوں کو پہنچا میں تیرے ساتھ ہوں۔ یہ وہ بہترین نمونہ ہے جو حالتِ یتیمی میں آپ نے دکھایا۔ اور اس سے بہتر نمونہ کیا کوئی دکھلا سکتا ہے۔

اس کے بعد آپ جوان ہوئے۔ لوگ اس عمر میں کیا کچھ نہیں کرتے عرب میں اس وقت کوئی قانون نہ تھا۔ کوئی اخلاقی ضابطہ نہ تھا۔ لوگ اس پر فخر کرتے تھے کہ ہمارا فلاں کی

عورت یا لڑکی سے ناجائز تعلق ہے۔ ان حالات میں رہنے والے نوجوانوں سے کوئی شخص اعلیٰ اخلاق کی توقع ہی نہیں کر سکتا۔ مگر آپ نے ایسی گندی فضاء کے باوجود جوانی میں ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ لوگ آپ کو امین اور صدوق کہتے تھے۔ یہ کہنا کہ آپ جھوٹ نہ بولتے تھے آپ کی ہتک ہے۔ کیونکہ آپ صداقت کا ایسا اعلیٰ نمونہ تھے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی اور صداقت کا مقام جھوٹ نہ بولنے سے اوپر ہے۔ پس آپ کا یہی کمال نہیں کہ جھوٹ نہ بولتے تھے بلکہ صدوق کہلاتے تھے۔ آپ کے کلام میں کسی قسم کا اخفاء' پردہ دری یا فریب نہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھے کہ آپ جو کہہ دیتے' لوگ اسے تسلیم کر لیتے۔

عیسائی مؤرخین تک نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ آپ کی پہلی زندگی سچائی کی زندگی تھی۔ آپ نے اہلِ مکہ سے کہا اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم یقین کرو گے یا نہیں۔ سب نے کہا ہاں ہم مان لیں گے۔ حالانکہ ویران علاقہ تھا اور صفا و مروہ پر چڑھ کر دور دور نظر جاتی تھی۔ ایسی حالت میں آپ کی بات ماننے کے صاف معنی یہی تھے کہ وہ اپنی آنکھوں کو جھوٹا سمجھتے حالانکہ وہ دیکھ رہے ہوتے کہ کوئی لشکر نہیں مگر آپ کی صداقت کا انکار نہ کر سکتے۔ وہ سب کے سب اپنی آنکھوں کو جھوٹا سمجھنے کیلئے تیار تھے مگر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ اور جب سب نے یہ اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا۔ خدا نے مجھے تمہاری ہدایت و اصلاح کیلئے بھیجا ہے۔ اس کا ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ پھر آپ کی صداقت کے متعلق ایک سخت دشمن کی گواہی ہے۔ اہل مکہ کو جب خیال ہوا کہ حج کے موقع پر لوگ جمع ہوں گے تو عین ممکن ہے آپ ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ ملا لیں اس پر وہ لوگوں کو آپ سے بدظن کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے کسی نے کہا یہ مشہور کر دو کہ یہ شاعر ہے۔ کسی نے کہا یہ کہو جھوٹا ہے۔ کسی نے کہا مجنون ہے۔ اس وقت ایک سخت دشمن نے جو آخر دم تک مخالفت کرتا رہا کہا۔ بہانہ وہ بناؤ جسے لوگ ماننے کیلئے تیار بھی ہوں۔ جب تم یہ کہو گے کہ جھوٹا ہے۔ تو کیا لوگ یہ نہ پوچھیں گے کہ آج تک تو تم اس کی راستبازی اور صداقت شعاری کے قائل تھے اب یہ جھوٹا کیسے ہو گیا اس لئے عُذر ایسا بناؤ جسے لوگ مان جائیں۔ مگر وہ کوئی عُذر نہ گھڑ سکے۔

اپنی جوانی کے زمانہ کے متعلق خود رسول کریم ﷺ کا بیان ہے کہ دو مواقع ایسے آئے کہ میں نے کوئی تماشا وغیرہ دیکھنے کا ارادہ کیا۔ جیسے مداری وغیرہ کا کھیل ہوتا ہے مگر

خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ سو گیا تو آپ کی جوانی ایسی پاکیزہ ہے کہ اور کہیں نظر نہیں آتی۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی کے واقعات عام طور پر معلوم نہیں ہوتے۔ مگر آپ کی زندگی کے تمام حالات پوری طرح محفوظ ہیں۔

اس کے بعد ہم آپ کی زندگی کے اخلاقی پہلو اور غرباء کی امداد کو لیتے ہیں تو اس میں بھی آپ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ مکہ کے بعض اشخاص نے مل کر ایک ایسی جماعت بنائی جو غریب لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے اور چونکہ اس کے بانیوں میں سے اکثر کے نام میں فضل آتا تھا اس لئے اسے حلف الفضول کہا جاتا ہے۔ اس میں آپ بھی شامل ہوئے۔ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے بعد میں صحابہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ یہ کیا تھی؟ آپ سمجھ گئے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ آپ تو نبی ہونے والے تھے آپ ایک انجمن کے ممبر کس طرح ہو گئے جس میں دوسروں کے ماتحت ہو کر کام کرنا پڑتا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ تحریک مجھے ایسی پیاری تھی کہ اگر آج بھی کوئی اس کی طرف بلائے تو میں شامل ہونے کو تیار ہوں۔[7] گویا غرباء کی مدد کے لئے دوسروں کی ماتحتی سے بھی آپ کو عار نہیں تھی۔ ایک غریب شخص نے ابوجہل سے کچھ قرضہ لینا تھا اور وہ غریب سمجھ کے ادا نہیں کرتا تھا وہ حلف الفضول کے لیڈروں کے پاس گیا کہ دلوا دو۔ مگر ابوجہل سے کہنے کی کوئی جرأت نہ کرتا تھا۔ آخر وہ شخص ان ایام میں جب آپ نبوت کے مقام پر فائز ہو چکے تھے آپ کے پاس آیا کہ آپ بھی حلف الفضول کے ممبروں میں سے ہیں، ابوجہل سے میرا قرضہ دلوا دیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ابوجہل آپ کے قتل کا فتویٰ دے چکا تھا اور مکہ کا ہر شخص آپ کا جانی دشمن تھا آپ فوراً ساتھ چل پڑے اور جا کر ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ آپ نے فرمایا محمدؐ۔ وہ گھبرا گیا کہ کیا معاملہ ہے فوراً آ کر دروازہ کھولا اور پوچھا کیا بات ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس غریب کا روپیہ کیوں نہیں دیتے۔ اس نے کہا ٹھہریئے ابھی لاتا ہوں اور اندر سے روپیہ لا کر فوراً دے دیا۔ لوگوں نے اس کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا کہ یہ ڈر گیا ہے۔ مگر اس نے کہا میں تمہیں کیا بتاؤں کہ کیا ہوا۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو ایسا معلوم ہوا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے دائیں اور بائیں دو دیوانے اونٹ کھڑے ہیں جو مجھے نوچ کر کھا جائیں گے۔[8] کوئی تعجب نہیں یہ معجزہ ہو۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ صداقت کا بھی ایک رُعب ہوتا ہے غرضیکہ ایک غریب کا حق دلوانے کے لئے آپ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا اور اس طرح اپنے عمل سے دکھا دیا کہ

غربت میں بھی انسان کے اندر کیسی اخلاقی جرأت ہونی چاہئے۔
جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی تو اُس وقت کوئی مال آپ کے پاس نہ تھا۔ بعض لوگوں نے روایت کی ہے کہ آپ کے والد نے پانچ بکریاں اور ایک دو اونٹ آپ کے لئے چھوڑے اور بعض اس سے بھی انکار کرتے ہیں۔ بہرحال اگر ورثہ میں آپ کو کوئی جائداد ملی بھی تو وہ ایسی قلیل تھی کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ مگر پھر بھی آپ کی طبیعت میں حرص بالکل نہ تھی اور سیر چشمی کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اپنے حالات کے لحاظ سے آپ کے لئے حرص کی گنجائش تھی مگر آپ کا لقب امین تھا اس وقت بھی ممکن ہے یہاں لاہور میں ہی سینکڑوں ایسے لوگ ہوں جن کے پاس اگر کوئی امانت رکھی جائے تو وہ اسے واپس کر دیں گے مگر دنیا انہیں امین نہیں کہتی کیونکہ امین وہی کہلا سکتا ہے جو خطرناک امتحانوں سے گزر کر بھی امانت کو قائم رکھے۔ اگر ایک شخص کے پاس لاکھ روپیہ ہے تو ہمارا ایک ہزار اگر وہ واپس کر دے تو یہ کوئی خوبی نہیں مگر رسول کریم ﷺ کو سخت مالی امتحانوں سے گزرنا پڑتا تھا اور باوجود اس کے آپ کے پاس سب کی مالی و جانی امانتیں محفوظ رہتی تھیں اور آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ آپ کی طبیعت میں بے حد استغناء تھا۔ حتّٰی کہ آپ کی قوم نے آپ کو امین کا خطاب دے دیا۔ آپ کو دولت بھی ملی اور لاکھوں روپیہ آپ کے پاس آیا مگر آپ نے اپنی حالت ویسی ہی رکھی۔ ایک دفعہ صدقات کا کچھ روپیہ آیا اور اسے تقسیم کرتے ہوئے ایک دینار کسی کونے میں گر گیا آپ کو اٹھانے کا خیال نہ رہا۔ نماز پڑھانے کے بعد جب یاد آیا تو لوگوں کے اوپر سے پھاندتے ہوئے جلدی سے گھر گئے۔ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا بات تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اس طرح ایک دینار رہ گیا تھا اور میں چاہتا تھا جس قدر جلدی ممکن ہو اسے تقسیم کروں۔[۹] دولت ہونے کے باوجود آپ غریبوں کے ساتھ مل کر رہتے تھے۔ صحابہ کو شکایت تھی کہ بعض ان میں سے امیر ہیں۔ آپ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا۔ کیا تمہیں پسند نہیں کہ میں اور تم ایک گروہ میں ہوں۔[۱۰] تو مال و دولت کے باوجود آپ نے ایسی سیر چشمی اور استغناء ظاہر کی کہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ جو کچھ آتا آپ خدا کی راہ میں تقسیم کر دیتے تھے حالانکہ گھر کی حالت یہ تھی کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کئی کئی مہینے ہمارے گھروں میں کھانا نہیں پکتا تھا۔ اونٹنی کا دودھ پی لیتے یا کھجوریں کھا لیتے تھے۔ یا کوئی ہمسایہ کھانا یا دودھ بھیج دیتا تو وہ استعمال کر لیتے تھے اور کبھی فاقہ سے ہی رہتے تھے اور یہ اس زمانہ کی حالت ہے جب

کثرت سے مال و دولت آ رہی تھی۔ لله

حیرت ہے کہ اسی زمانۂ زندگی کے متعلق بعض عیسائی مصنفین لکھتے ہیں کہ آپ کے پاس دولت آئی تو آپ بگڑ گئے حالانکہ آپ کی حالت یہ تھی کہ جب وفات پائی تو زرہ' چند صاع جو کے عوض رہن تھی۔ غرضیکہ آپ پر غربت اور دولتمندی دونوں زمانے آئے مگر آپ نے ہر حالت میں اچھا نمونہ دکھایا۔ آپ کو روپیہ ملا مگر پھر بھی آپ نے غربت کو قائم رکھا۔ آپ مجرد رہے اور ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ دنیا حیران ہے۔ آپ نے ۲۵ برس کی عمر میں شادی کی جو عرب میں بڑی عمر ہے۔ کیونکہ وہاں ۱۶۔۱۷ برس کا آدمی پورا بالغ ہو جاتا ہے اور اس عمر میں بھی جب آپ نے شادی کی تو چالیس سال کی ایک بیوہ کے ساتھ۔ گویا اس زمانہ میں جو اُمنگوں اور آرزوؤں کا زمانہ ہوتا ہے آپؐ نے ایسی عورت سے شادی کی جو اپنا زمانہ گذار چکی تھی۔ پھر شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ساری دولت آپ کے حوالے کر دی مگر آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ اس کے سب غلاموں کو آزاد کر دیا۔ گویا جب آپ نے شادی نہ کی تھی اس وقت بھی اعلیٰ نمونہ دکھایا اور جب کی تو بھی ایسا نمونہ دکھایا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپؐ کی شادی پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ۹ سال کی عمر میں شادی کی جو ظلم ہے اول تو یہ بھی غلط ہے۔ عمر کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں اور متحقق یہی ہے کہ اُس وقت آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ اگرچہ بعض روایتوں میں سترہ سال بھی ہے لیکن تیرہ سال ہی صحیح ہے اور یہ بھی چھوٹی عمر ہی ہے اور ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ تکلیف خود انہیں ہی ہو سکتی تھی' عیسائی مصنفین کو تکلیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ تیرہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی اور ۹ سال بعد آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ گویا بائیس برس کی عمر میں ہی آپ بیوہ ہو گئیں۔ اس پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی عمر اس شادی کی وجہ سے برباد ہو گئی۔ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل کی گہرائیوں کو ہم ٹٹولتے ہیں تو اس میں آنحضرت ﷺ کی محبت کا بہت گہرا نقش پاتے ہیں۔ سالہا سال گزر جاتے ہیں اور آپ کے پاس کثرت سے روپیہ آنے لگتا ہے اور ثابت ہے کہ ایک ایک دن میں لاکھ لاکھ روپیہ آپ کے پاس آیا مگر آپ کی سادگی میں فرق نہیں آیا اور آپ نے وہ سب کا سب شام تک تقسیم کر دیا۔ ایک دن صبح سے شام تک آپ نے قریباً ایک لاکھ روپیہ تقسیم کر دیا۔ اس پر

ایک سہیلی نے کہا آپ روزہ سے تھیں افطاری کے لئے چار آنہ رکھ لیتیں تو کیا اچھا ہوتا۔ آپ نے جواب دیا کہ تم نے پہلے کیوں نہ یاد دلایا۔ اگر آنحضرت ﷺ کی محبت کا نقش اس قدر گہرا نہ ہوتا تو آپ روپیہ ملنے پر ضرور یہ طریق بدل دیتیں مگر حالت یہ تھی کہ ایک دفعہ آپ میدہ کی روٹی کھانے لگیں۔ نرم نرم پھلکے تھے مگر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کسی ہمجولی نے دریافت کیا تو فرمایا۔ میں اس لئے روتی ہوں کہ اگر آج آنحضرت ﷺ زندہ ہوتے تو یہ نرم نرم پھلکے انہیں کھلاتی۔ [۱۲] غور کرو' یہ کتنا گہرا نقش ہے۔ کتنے ہیں جو وفات کے بعد مرنے والوں کو اس طرح یاد رکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا ایک ایک لحہ بتاتا ہے کہ آپ کا دل آنحضرت ﷺ کی محبت سے لبریز تھا۔ بعض بدباطن کہتے ہیں آپ نَعُوْذُ بِاللہ عیاش تھے۔ کیا عیاش لوگوں کی بیویاں ان کی موت کے بعد اسی طرح ان کے ساتھ اظہارِ محبت کرتی ہیں؟ وہ تو نفرت اور حقارت سے انہیں دیکھتی ہیں اور ان کی موت کو اپنی نجات سے تعبیر کرتی ہیں۔ غرضیکہ شادی کے زمانہ میں بھی آپ نے نہایت اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہم دیکھتے ہیں۔ آپ بیویوں سے ایسا برتاؤ کرتے جو محبت کے ازدیاد کا موجب ہو۔ حتّٰی کہ پیالہ کی جس جگہ منہ لگا کر وہ پانی پیتیں بعض اوقات آپ بھی وہیں ہونٹ لگا کر پیتے اور فرماتے یہ محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ [۱۳] اگر کسی اونچی جگہ چڑھنا ہوتا تو آپ اپنے گھٹنے کا سہارا دیتے۔ [۱۴]

یورپ کے وہ نادان لوگ جو آج اعتراض کرتے اور کہتے ہیں عورت کی عزت کے لئے یہ ضروری ہے' جب رسول کریم ﷺ سے ایسی بات دیکھتے ہیں تو اسی کی بناء پر آپ کو عیّاش کہہ دیتے ہیں۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں' اولاد ہو جانے کی حالت میں لوگ دوسروں کی خدمت اور ان کے حقوق کی حفاظت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ اس پہلو میں بھی اس قدر محتاط تھے کہ ایک دفعہ صدقہ کی کھجوریں آئیں۔ حضرت امام حسن اس وقت بچہ تھے آپ نے کھجور منہ میں ڈالی مگر آپ نے منع فرما دیا اور کہا یہ غریبوں کا حق ہے۔ [۱۵] غور کرو۔ آج کتنے لوگ ہیں جو اس قدر احتیاط کرتے ہیں۔ بچوں کی بات پر عام طور پر کہہ دیا جاتا ہے نادان بچہ ہے۔ مگر آپ کی بڑھاپے کی اولاد ہے اور زیادہ نہیں صرف ایک کھجور منہ میں ڈال لیتا ہے مگر آپؐ اس کے منہ سے نکال لیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں یہ غریبوں کا حق ہے۔ فاطمہ آپؐ کی پیاری بیٹی تھیں اور

آپؐ کی اولاد میں سے صرف وہی زندہ رہیں۔ پھر اس کے علاوہ آپ ایسی نیک خُو تھیں کہ جس کی مثال چراغ لے کر ڈھونڈیں تو نہ مل سکے گی۔ وہ نہایت افسردگی کی حالت میں آپ کے پاس آئی اور اپنے ہاتھوں میں چھالے جو چکی پیسنے کی وجہ سے پڑ گئے تھے' دکھاتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ اب اس قدر مال و دولت آ رہی ہے۔ ایک غلام یا لونڈی مجھے بھی دی جائے جو مجھے مدد دیا کرے۔ آپؐ جواب میں فرماتے ہیں کہ فاطمہ آؤ اس سے بہتر چیز تمہیں دوں اور چند کلمات سکھا دیتے ہیں۔[۱۶] میں پوچھتا ہوں دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو ایسے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ نرینہ اولاد تو آپؐ کی فوت ہو چکی تھی اور اس لحاظ سے گویا آپ بے اولاد تھے۔ صرف ایک فاطمہ باقی تھی وہ ایسی تکلیف کا اظہار کرتی اور آپؐ یہ جواب دیتے ہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں کہ آپ ہر حالت میں بے نظیر انسان تھے۔

دشمنوں کے ظلم سہنے میں بھی آپؐ نے کمال دکھایا۔ لوگ پتھر مار مار کر خون آلُود کر دیتے ہیں' آپ پر لا کر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دیتے ہیں' جب آپؐ طائف میں تبلیغ کے لئے گئے تو مکہ والوں نے انہیں پہلے ہی کہلا بھیجا کہ ایک دیوانہ آتا ہے ان ظالموں نے آپ کے پیچھے چھوٹے چھوٹے لڑکے اور کُتّے ڈال دیئے۔ لڑکے پتھر مارتے تھے پھر آپؐ جانتے ہیں' شکاری کتے کتنے سخت ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ آپ سر سے پاؤں تک زخمی ہو گئے۔ واپس آتے ہوئے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ اگر چاہو تو فوراً ان لوگوں کو سزا دی جائے۔ مگر آپؐ فرماتے ہیں نہیں یہ لوگ نادانی سے ایسا کرتے ہیں۔[۱۷] جب کبھی ضرورت پیش آتی آپ فوراً ان دشمنوں کی امداد کرتے۔ کوئی نہیں جو آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر آیا اور آپ نے انکار کر دیا ہو۔ دشمن آتے اور آپ ان کی ہر طرح خاطر داری کرتے۔ وہ شہر جہاں سے رات کے وقت چُھپ کر آپؐ کو بھاگنا پڑا' جہاں کے لوگوں نے آپؐ کے پیارے صحابہؓ کو اونٹوں سے باندھ باندھ کر چیر ڈالا' وہ لوگ جنہوں نے عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار مار کر انہیں شہید کر ڈالا' جلتی ریت پر ڈال ڈال کر ہلاک کیا جب مغلوب ہونے کے بعد آپ کے سامنے پیش کئے گئے تو آپؐ نے فرمایا:-

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ[۱۸]

ایک شدید دشمن نے جبکہ آپؐ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی اور آپؐ سو رہے تھے تلوار ہاتھ میں لیکر آپؐ کو جگایا اور کہا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ۔ اس

لفظ کی عظمت اور ایمان کی طاقت سے تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور آپ نے اٹھا کر کہا۔ اب تجھے کون بچا سکتا ہے' اس کمبخت نے آپ کے عمل سے بھی سبق نہ سیکھا اور کہا آپ ہی چاہیں تو چھوڑ سکتے ہیں۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا اور کہا جاؤ چلے جاؤ۔ ۹؎ غرض اس قدر ثبوت ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ آپؐ کی زندگی میں ہر قسم کے نمونے موجود ہیں۔ ایک جنگ میں آپ نے ایک عورت کو زخمی دیکھا۔ باوجودیکہ وہ جنگ میں شامل تھی مگر آپ اس قدر غصہ ہوئے کہ صحابہ کا بیان ہے کہ اس قدر غصہ کبھی نہ ہوئے تھے۔ جب بھی اسلامی لشکر باہر جاتا آپ ارشاد فرماتے کہ عورتوں' بچوں' بوڑھوں' ناکاروں' بیماروں اور راہبوں' پادریوں وغیرہ پر ہرگز حملہ نہ کیا جائے۔ آپ قاضی تھے مگر ایسے کہ کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ آپ جرنیل تھے مگر جنگ میں آپ سے کسی قسم کی غلطی آج تک ثابت نہیں ہو سکی بلکہ کئی فنونِ جنگ آپ نے دنیا کو سکھائے ہیں۔ آپ مبلغ تھے مگر چڑ چڑے نہیں۔ لڑائی یا سخت کلامی کرنے والے نہیں۔ مبلغین میں عام طور پر شوخی اور تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر آپ میں یہ بات نہ تھی بلکہ ہمیشہ محبت سے مخالفوں کی بات سنتے۔ صُلح کے موقع پر آپؐ نے ایسی شرائط پر صُلح کی کہ اس سے نرم شرائط ممکن نہیں۔ مگر جنگ ایسی بہادری سے کرتے کہ حنین کے موقع پر سارا لشکر بھاگ گیا۔ چونکہ اس موقع پر غیر مسلم حلیف بھی آپ کے ساتھ تھے اور ان میں اتنا جوش نہ تھا اس لئے سب بھاگ گئے۔ صرف بارہ آدمی آپؐ کے ساتھ رہ گئے اور ان میں سے بعض نے آپؐ کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور کہا اس وقت یہاں ٹھہرنا ہلاکت کے منہ میں جانا ہے۔ مگر آپ نے فرمایا چھوڑ دو۔ میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ اور ایسی خطرہ کی حالت میں بھی آپؐ

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب
اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب ۲۰؎

کہتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔

اُحد کی جنگ میں ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو خون سے تربتر تھا' ہر طرف سے اس پر حملے ہو رہے تھے۔ اور وہ اکیلا ہی سب کا مقابلہ کر رہا تھا۔ جب میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ رسول کریم ﷺ تھے۔ ایسے جری کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ آپؐ نے بزدلی سے صُلح کی۔ صُلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہؓ سخت جوش میں تھے ان کی

تلواریں پھڑک رہی تھیں مگر آپؐ نے فرمایا کہ ہم صلح کریں گے۔ ۲۱؎

آپؐ نے تجارت بھی کی ہے اور ایسی کہ حضرت خدیجہؓ کے غلام کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا ایماندار کوئی نہیں دیکھا۔ سب سے زیادہ نفع آپؐ کو ہوتا تھا۔ آپؐ کی چیز میں اگر کوئی نقص ہوتا تو آپؐ خود ہی اس کو ظاہر کر دیتے۔ نتیجہ یہ تھا کہ گاہک تلاش کر کے آپؐ سے مال خریدتے تھے۔ آپؐ کا غریبوں اور چھوٹوں سے معاملہ ایسا احسان کا تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپؐ کی گردن میں رسی ڈال دی کہ مجھے کچھ مال دو۔ آپؐ نے اسے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف یہ جواب دیا کہ میں بخیل نہیں ہوں۔ اگر میرے پاس ہوتا تو میں ضرور دے دیتا۔ ۲۲؎ اس وقت آپؐ کے دس ہزار صحابی آپ کے پاس موجود تھے۔ اگر آپ ذرا سا بھی اشارہ کر دیتے تو وہ اس کی گردن اُڑا دیتے۔ مگر آپؐ نے ذرا بھی خفگی کا اظہار نہیں کیا۔ غور کرو کون ہے جو اپنے چھوٹوں سے ایسا سلوک کرے۔

ایک دفعہ حاتم طائی کے قبیلہ کے لوگ آئے تا حالات دیکھ کر اندازہ کریں کہ مسلمانوں سے صلح کر لینی چاہئے یا جنگ۔ ان کے سردار نے اپنے ساتھیوں سے کہا میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپؐ نبی ہیں یا بادشاہ۔ اس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا آئی اور آپ کو اپنے ساتھ علیحدہ لے جا کر کھڑی ہو گئی اور دیر تک باتیں کرتی رہی آپؐ اس کے پاس کھڑے رہے۔ اس سردار نے اپنے ساتھیوں سے کہا یہ شخص بادشاہ نہیں، نبی ہے۔ دوسری قوم کے سفراء پاس بیٹھے ہیں مگر آپؐ اس وقت تک پوری توجہ سے ایک بڑھیا کی باتیں سنتے رہے جب تک وہ خود نہ چلی گئی۔ پھر بڑے لوگوں نے بھی آپؐ سے باتیں کیں مگر ان سے بھی اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ ۲۳؎

کسریٰ نے اپنے گورنر کو کہلا بھیجا کہ اس شخص کو پکڑ کر میرے پاس بھیج دو اس نے اپنے آدمی آپؐ کے پاس بھیجے۔ انہوں نے آکر آپ سے کہا کہ آپ چلیں ہم کوشش کریں گے کہ آپ کی جان بخشی ہو جائے مگر انکار سخت نقصان کا موجب ہو گا۔ کسریٰ اس وقت آدھی دنیا کا بادشاہ ہے اور وہ عرب کو تباہ کر دے گا۔ آپؐ نے جواب کے لئے ایک دن مقرر کیا اور جب مقررہ وقت پر وہ جواب کے لئے آئے تو آپؐ نے فرمایا جا کر اپنے گورنر سے کہہ دو کہ میرے خدا نے تمہارے خداوند کو مار ڈالا ہے۔ انہوں نے کہا اچھا ہم دیکھیں گے اگر آپ کی بات سچی ہوئی تو آپ بیشک نبی ہیں۔ چند روز کے بعد ایران سے ایک جہاز آیا جس میں گورنر کے نام ایک خط تھا جس پر نئی مہر تھی۔ وہ حیران ہوا کہ کیا معاملہ ہے۔ کھولا تو اس میں لکھا تھا۔ اپنے

باپ کے ظلموں سے تنگ آکر ہم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اس نے عرب کے ایک شخص کے متعلق ایسا ظالمانہ حکم دیا تھا اسے بھی منسوخ سمجھو۔ [۲۴] غور کرو کہ غریب بڑھیا سے تو وہ معاملہ ہے اور کسریٰ جیسے جابر بادشاہ سے یہ کہ جاکر کہہ دو ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔

غیر قوموں کے لوگوں سے سلوک یہ ہے کہ سلمان فارسی آتے ہیں اور غیر لوگوں میں ہونے کی وجہ سے اجنبیت محسوس کرتے ہیں۔ آپ ان کی دلجوئی کا اس حد تک خیال رکھتے ہیں کہ فرماتے ہیں۔ **سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ** [۲۵] سلمان ہمارے رشتہ داروں میں سے ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ کو کس طرح امن میں نہ سمجھتا ہو گا۔ غرضیکہ ہر شخص خواہ وہ کن حالات میں ہو آپؐ کے متعلق کہہ سکتا ہے کہ آپ ہم میں سے ہیں۔

لیکن جو مثالیں مَیں نے اوپر پیش کی ہیں ان کی بناء پر مسلمان تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ ہم میں سے ہیں مگر ایک غیر مسلم کس طرح یہ کہہ سکتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ سب گذشتہ بزرگوں کی ضروری اور اچھی تعلیم اس میں ہے اور اس لحاظ سے ہر غیر مسلم بھی کہہ سکتا ہے کہ محمدؐ ہم میں سے ہے۔ دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ آپؐ نے تمام گذشتہ انبیاء کی تصدیق کی۔ خدا تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا۔ کہ **اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ** [۲۶] اور جب ہر قوم میں نبی ہوئے ہیں اور ادھر آپؐ نے فرمایا کہ تمام انبیاء بھائی بھائی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ محمد ﷺ حضرت رام، کرشن، موسیٰ، عیسیٰ، زرتشت، کنفیوشس علیہم السلام سب کے بھائی تھے اور اس طرح ہندوستانی، ایرانی، مصری، جاپانی، چینی ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ **مُحَمَّدٌ مِنْ اَنْفُسِنَا** کیونکہ آپؐ سب انبیاء کی اسی طرح تصدیق کرتے ہیں جس طرح خود ان کے ماننے والے کرتے ہیں۔ پس اس قول میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور ساری اقوام شامل ہیں اور ہر ایک قوم کہہ سکتی ہے کہ محمدؐ ہم میں سے ہے۔ بعض عیسائی آپؐ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپؐ ایک اچھے عیسائی تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ اچھے عیسائی، موسائی، بدھ سب کچھ تھے کیونکہ آپ مسلمان تھے اور مسلمان کے معنے ہی یہ ہیں جو سب صداقتوں کو ماننے والا ہو۔ پس جہاں قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ محمد ﷺ تم میں سے ہے وہاں آپ کی زندگی کا ہر شُعبہ اس دعویٰ کی دلیل ہے۔

تیسری صفت جو قرآن کریم نے آپؐ کی بیان فرمائی وہ یہ ہے۔ کہ **عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ** تمہارے اوپر تکلیف، اس پر گراں گذرتی ہے۔ عزیز میں صرف شاق کا مفہوم ہی

نہیں بلکہ یہ عزت سے نکلا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہیں بڑی چیز دیکھنا چاہتا ہے۔ میں بتاتا ہوں کہ کس طرح غیر قوموں کی تکلیف کے متعلق بھی آپ کو خیال رہتا تھا اور اس طرح اپنوں کو اخلاق کے بلند مقام پر آپ دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک یہودی سے حضرت ابوبکرؓ کی گفتگو ہو رہی تھی۔ اس نے حضرت موسیٰ کو آنحضرت ﷺ پر فضیلت دی اور آپ نے اسے تھپڑ مار دیا۔ وہ شکایت لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا مجھے یونہی دوسروں پر فضیلت نہ دیا کرو۔ ۲۷ے بعض نادان کہتے ہیں یہ پہلا زمانہ تھا جب آپ واقعی اپنے آپ کو حضرت موسیٰ سے افضل نہ سمجھتے تھے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ آپ کو پہلے دن سے ہی اپنے مقام اور افضل ہونے کا علم تھا۔ اس میں تو آپؐ نے اپنی امت کو سبق دیا ہے کہ ایسی باتیں نہ کیا کرو جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ دیکھو کس قدر دوسروں کے احساسات کا احترام مد نظر ہے۔ آپؐ نے بتایا کہ میری فضیلت کا اظہار وعظ و نصیحت کے طور پر کیا کرو لڑائی کے وقت یا غصہ کی حالت میں نہ کرو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دوسروں کے بزرگوں کی عزت کرو اور ان کی مذمت نہ کیا کرو۔ ۲۸ے بلکہ قرآن نے تو غیر اللہ معبودوں کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ **لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ** ۲۹ے یعنی دوسروں کے بتوں کو بھی بُرا نہ کہا کرو کیونکہ وہ نادانی سے خدا کو بُرا کہہ کر خواہ مخواہ عذاب کے پنجے میں گرفتار ہوں گے۔ کس قدر انصاف کا خیال ہے۔ پھر غیر یعنی دشمن سے سلوک یہ ہے کہ فرمایا لڑائی میں بھی انصاف کیا کرو۔ جتنی تعدّی دوسرا تم پر کرتا ہے تم بھی اتنی ہی کرو' اس سے زیادہ نہ کرو۔ اور جب دوسرا صلح کی درخواست کرے تو خواہ لڑائی تمہارے ہی حق میں ہو' فوراً صلح کر لو اور تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں کہ کسی نے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی ہو اور انہوں نے انکار کر دیا ہو۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علیؓ نے مسودہ لکھا کہ اس معاہدہ میں ایک طرف محمدؐ رسول اللہ ہیں۔ کفار نے اس پر اعتراض کیا آپ نے فرمایا رسول اللہ کا لفظ مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ میں کس طرح مٹا سکتا ہوں۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ کاٹ دیئے۔ ۳۰ے حالانکہ صاف بات تھی آپ کہہ سکتے تھے کہ یہ میرے دستخط ہیں تمہارے تو نہیں مگر آپؐ نے دوسروں کے احساسات کا پورا پورا لحاظ رکھا اور ہر حالت میں صلح کر لی۔

آپ جس وقت مبعوث ہوئے۔ اُس وقت دنیا میں غلام' عورت اور

DEPRESSED CLASSES ان تینوں پر سخت ظلم ہوتا تھا آپؐ نے سب کو آزادی بخشی۔ آپ چونکہ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ تھے اس لئے اس ظلم اور تعدی کو برداشت نہ کرسکے اور جب تک سب کو آزاد نہ کیا۔ آپ کو چین نہیں آیا۔ اُس زمانہ میں جبکہ غلام کو جان سے بھی مار دیا جاتا تو کوئی ظلم نہ سمجھا جاتا تھا' آپ نے حکم دیا کہ جو شخص کسی غلام کو مارے گا تو اس کا غلام آزاد سمجھا جائے گا۔ پھر فرمایا جیسا خود کھاؤ' ان کو کھلاؤ اور جیسا خود پہنو' ان کو پہناؤ۔ وہ کام ان سے نہ لو جو خود کرنا پسند نہ کرتے ہو مثلاً چوہڑوں وغیرہ کا کام اور جو کام انہیں دو اس میں ان کی مدد کرو۔ اور اس طرح وہ تمام تکالیف جو غلاموں کو تھیں آپؐ نے دور کردیں۔ پھر غلاموں کے متعلق فرمایا۔ اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً [۳۱] یعنی یا تو انہیں بطور احسان چھوڑ دو یا تاوان وصول کر کے چھوڑ دو۔ غلامی صرف جنگی قیدی کی صورت میں جائز رکھی اور دنیا میں کون ہے جو جنگی قیدی کو بغیر تاوان لئے چھوڑ دے۔ آپؐ نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ ساری عمر کے لئے کسی کو غلام رکھنا قطعاً ناجائز ہے۔ اُس وقت تک رکھ سکتے ہو کہ جب تک وہ تاوان ادا نہ کرے اور یا اسے بطور احسان نہ چھوڑ دو۔ اور جنگی قیدی بنالینے کا حکم دینے کی وجہ سے اسلام پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر سزا نہ رکھی جائے تو ایک قوم یا خود مٹ جاوے گی یا دوسرے اسے مٹادیں گے۔

پھر عورتیں فروخت کردی جاتی تھیں' انہیں بطور ورثہ تقسیم کیا جاتا تھا' لڑکیاں زندہ درگور کردی جاتی تھیں' عورتوں کو بے حد ذلیل اور بے عزت سمجھا جاتا تھا مگر آپؐ نے فرمایا۔ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِهٖ [۳۲] اور اس طرح عورتوں پر تمام مظالم کا انسداد کردیا۔ تفصیلات مَیں اس وقت بیان نہیں کرسکتا یہ اصولی تعلیم ہے۔ لڑکیوں کے متعلق فرمایا جس کے پاس دو لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے' انہیں اعلیٰ اخلاق سکھائے' لکھائے' پڑھائے اس کا گھر جنت میں ہوگا' [۳۳] ماؤں کے متعلق حکم دیا کہ اُنہیں اُف تک نہ کہو' [۳۴] بہنوں کو وارث بنایا۔ گویا عورتوں کی تکلیف بھی آپؐ سے نہ دیکھی گئی اور ان کو بھی آزادی دی تیسری DEPRESSED CLASSES جو ہیں ان کے متعلق فرمایا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ [۳۵] یہ مت خیال کرو کہ فلاں اعلیٰ و فلاں ادنیٰ ہے۔ خدا کے نزدیک مکرّم وہی ہے جو زیادہ متقی ہو۔ ان غریبوں کو جو مظالم کے پنجوں میں پھنسے ہوئے تھے' یہ کہہ کر اٹھایا کہ خدا کے نزدیک معزّز و مکرّم وہی ہے جس کے اخلاق اعلیٰ ہوں اور جو تقویٰ میں

بڑھا ہوا ہو۔ غور کرو! کتنا عظیم الشان اعلان ہے۔ چند ایک جملے ہیں مگر تمام پست اقوام کو پستی سے نکال کر بلند ترین مقام پر کھڑا ہونے کا موقع بہم پہنچا دیا ہے۔ آج بھی ان اقوام سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص یہاں موجود ہو تو میں اسے کہوں گا کہ تمہاری تکلیف بھی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ دیکھی گئی اور آپؐ کا دل دُکھا اور آپؐ نے تمہاری آزادی کا اعلان بھی کر دیا۔ بعض اقوام قابلیت کے لحاظ سے اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھتی ہیں اور دوسروں کو اپنے سے ادنیٰ و حقیر۔ مثلاً آج کل امریکہ والے اپنے آپ کو SUPER MAN سمجھتے ہیں۔ آپؐ نے اس تکلیف سے بھی روکنے کا انتظام کیا اور فرمایا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ [۳۶] یعنی کوئی قوم اپنی ترقی کی وجہ سے دوسری کو کمتر نہ سمجھے بالکل ممکن ہے کل وہ گر جائے اور دوسری بڑھ جائے کیونکہ یہ سلسلہ دنیا میں ہمیشہ جاری ہے۔ آج کوئی قوم ترقی کرتی ہے اور کل کوئی' اس لئے ایک دوسرے کو عزت کی نگاہ سے دیکھو۔ غرض ایسی اعلیٰ درجہ کی مساوات قائم کی کہ دنیا جس ذلت میں پڑی تھی اس سے اسے چھڑا دیا۔ اور یہ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ کی صفت کا ظہور ہے۔

چوتھی بات آپ کے متعلق یہ فرمائی کہ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ زبردست امتیاز ہے۔ دنیا میں عام دستور ہے کہ لوگ ایک اصول کو پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ دوسروں کو اس سے فائدہ ہو گا یا نقصان۔ آج کل طبیب لوگ ڈاکٹروں کی تحقیر کرتے ہیں اور ڈاکٹر اطباء کی مذمت' ہومیوپیتھک والے ایلوپیتھی کو بُرا کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جب خدا نے بعض چیزوں میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں کہ ذرا سی دوا سے فائدہ ہو جائے تو یہ لوگ انسان کے دشمن ہیں جو اتنی بڑی بڑی DOSES دیتے ہیں انہوں نے دنیا کی صحت کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ خدا تعالیٰ نے سب چیزوں میں فوائد رکھے ہیں۔ لالہ لاجپت رائے کی صحت خراب تھی۔ انہوں نے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے علاج کرایا۔ کوئی فائدہ نہ ہوا آخر حکیم نابینا صاحب سے علاج کرایا اور انہیں شفا ہو گئی۔ اسی طرح ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کو پتھری تھی۔ انہیں بھی ڈاکٹروں کے علاج سے صحت نہ ہوئی اور حکیم نابینا صاحب کے علاج سے وہ صحت یاب ہو گئے۔ پھر بعض مریض ایسے ہیں کہ طبیب سالہا سال علاج کرتے رہے مگر آرام نہ ہؤا اور ڈاکٹری علاج سے دنوں میں فائدہ ہو گیا۔ اگر انسان کی زندگی کی قدر ان لوگوں کے مدنظر ہوتی تو چاہئے تھا اپنے اپنے اصل کے ہی پیچھے نہ پڑے رہتے بلکہ اگر ڈاکٹری علاج میں کوئی

کوتاہی ہوتی تو ڈاکٹر خود کہہ دیتا کسی طبیب سے بھی مشورہ کرلو اور طبیب ڈاکٹر کے پاس جانے کی رائے دیتا لیکن حالت یہ ہے کہ مریض خواہ مرجائے' ہر ایک اپنی سائنس کو ہی برتر ثابت کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ بندوں کا فائدہ ہو۔ یہ نہیں کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم ہے تو خواہ ٹانگیں سوکھ جائیں' ضرور کھڑے ہی ہو کر پڑھو بلکہ بیٹھ کر بلکہ ضرورت کے وقت لیٹ کر بھی پڑھ سکتے ہو۔ پھر یہ نہیں کہ ضرور سال میں پچاس روپیہ صدقہ کرو۔ اگر نہیں تو پچیس' بیس' پندرہ' دس جس قدر توفیق ہو کر سکتے ہو۔ اگر بالکل توفیق نہ ہو تو دل کی نیکی ہی کافی ہے۔ غرضیکہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ تم بھی بدل سکتے ہو۔ میں اس وقت تفصیلات چھوڑتا ہوں۔ آپ نے روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ سب کیلئے ALTERNATIVES رکھے ہیں۔ صدقہ اور جہاد وغیرہ احکامات کے بغیر بھی انسان خدا تعالیٰ کو راضی کر سکتا ہے۔ ایک دفعہ آپ جہاد پر جارہے تھے اور فرمایا بعض لوگ ایسے ہیں جو اگرچہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ مگر ہم کسی وادی میں نہیں ہوتے مگر وہ ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور وہ ثواب میں برابر ہمارے شریک ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تکالیف ہم اٹھائیں اور وہ ثواب میں ہمارے شریک ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لولے' لنگڑے' اندھے اور معذور لوگ ہیں جو عدمِ شمولیت کی وجہ سے دلوں میں بے حد ملول ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب سے محروم نہیں رکھنا چاہتا۔[۳۷] غرض آپ کی تعلیم میں ہر انسان اور اس کی ہر حالت کا علاج موجود ہے۔ یہ نہیں کہ خواہ کیسی مصیبت ہو ایک خاص اصول کی پیروی ضروری ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ انسان کی نجات مقصود ہے۔

پانچویں بات یہ فرمائی۔ **بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** دنیا میں ایک مرض یہ ہے کہ جب کوئی شخص دنیا پر یا کسی خاص قوم پر کوئی احسان کرتا ہے تو پھر وہ توقع رکھتا ہے کہ لوگ میرا شکریہ ادا کریں' میری قدر کریں اور کہیں کہ آپ نے بڑا احسان کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بجائے ایسی امید اور توقع کے یہ رسولؐ جو لوگ اس کی بات مانتے ہیں یہ خود ان کی خدمت کرتا ہے' احسان کرکے خود ممنون ہوتا ہے' شکر کے مواقع پیدا کرکے خود مشکور ہوتا ہے اور اس مقام پر وہی شخص کھڑا ہو سکتا ہے جو خود بڑائی کی خواہش نہ رکھتا ہو بلکہ رسول ہو اور خدا کی طرف سے مجبور کرکے اس مقام پر کھڑا کیا گیا ہو۔

افسوس ہے کہ اس وقت میں زیادہ تفصیل سے نہیں بول سکتا کیونکہ ایک تو کمزوری

محسوس ہونے لگی ہے اور دوسرے مَیں دیکھتا ہوں دھوپ بھی زرد ہوتی جارہی ہے اور وقت زیادہ ہوگیا ہے۔ پھر کئی ایک باتیں مَیں بیان کر چکا ہوں اور میرا خیال ہے کئی لوگ اس پر مزید غور کر کے اور نکات بھی نکال سکتے ہیں۔ اگر کسی کے دل میں یہ تحریک یعنی اور غور کر کے نئی باتیں پیدا کرنے کی طرف توجہ ہو جائے تو یہ بھی بہت کامیابی ہے۔ وگرنہ پھر کبھی اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو خود ہی کسی موقع پر بیان کروں گا۔ خاتمہ پر ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ اختلاف دنیا سے کبھی مٹ نہیں سکتا۔ اور جب تک مسلمان اس کوشش میں رہیں گے کہ اختلاف مٹا کر صلح کریں' وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ صلح اسی اصول پر ہو سکتی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے کہ اختلافات کو قائم رکھ کر صلح کرو۔

پس اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے' مسلمانوں کو چاہئے متحدہ امور میں اکٹھے ہو جائیں کیونکہ کامیابی کا صرف یہی راستہ ہے۔

(الفضل ۲۴۔ نومبر۔ ۶۔ دسمبر ۱۹۳۱ء)

۱؎ **مسند احمد بن حنبل** جلد ۵ صفحہ ۲۰۷ مکتبہ اسلامیہ بیروت۔ میں یہ الفاظ ہیں **"الا شققت عن قلبه"**

۲؎ **بخاری کتاب الجهاد والسیر باب ان الله یوید الدین بالرجل الفاجر**

۳؎ **التوبة:۱۲۸**

۴؎ گیا۔ ہندوستان کا تجارتی شہر۔ یہاں کا وشنو مندر قابل ذکر ہے۔ "بودھ گیا" جو گوتم بدھ کے نروان کا مقام تھا قریب ہی ہے۔

(اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۲۹۹ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۵؎ **الکهف:۱۱۱**

۶؎ **تاریخ الامم والملوک لابی جعفر محمد بن جریر الطبری** جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ **دار الفکر** بیروت ۱۹۸۷ء

۷؎ **السیرة النبویة لابن هشام الجزء الاول** صفحہ ۱۴۲ **مصطفیٰ البابی الحلبی** مصر ۱۹۳۶ء

۸؎ **السیرة النبویة لابن هشام الجزء الاول** صفحہ ۱۳۵' ۱۳۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۹ بخاری کتاب الاذان باب من صلی بالناس فذکر حاجۃ فتخطاھم

۱۰

۱۱ بخاری کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ

۱۲

۱۳ سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب مؤاکلۃ الحائض و مجامعتھا

۱۴

۱۵ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم واھلہ

۱۶ ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی التسبیح والتکبیر والتحمید عند المنام

۱۷ بخاری کتاب بدء الخلق باب اذا قال احدکم امین والملئکۃ فی السمآء......الخ

۱۸ شرح مواھب اللدنیۃ جلد ۳ صفحہ ۴۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۹۹۶ء

۱۹ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع، شرح مواھب اللدنیۃ جلد ۲ صفحہ ۵۳۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۶ء

۲۰ بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالی و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم

۲۱ سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ تا ۱۸۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ (مفہوماً)

۲۲ بخاری کتاب فرض الخمس باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفۃ قلوبھم وغیرھم من الخمس و نحوہ

۲۳ سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ۳ صفحہ ۶۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۲۴ تاریخ الامم والملوک لابی جعفر محمد بن جریر الطبری الجزء الثالث صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۹ دار الفکر بیروت لبنان ۱۹۸۷ء

۲۵ کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۶۹۰ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۱۹۷۴ء

۲۶ فاطر: ۲۵

۲۷ مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسی

۲۸ ابن ماجه کتاب الادب باب اذا اتاکم کریم قوم فاکرموه

۲۹ الانعام: ۱۰۹

۳۰ بخاری کتاب المغازی باب عمرة القضاء

۳۱ محمد: ۵

۳۲ ابن ماجه کتاب النکاح باب حسن معاشرة النساء

۳۳ مسلم کتاب البر و الصلة والادب باب فضل الاحسان الی البنات

۳۴ بنی اسرائیل: ۲۴ ۳۵ الحجرات: ۱۴ ۳۶ الحجرات: ۱۲

۳۷ بخاری کتاب المغازی باب نزول النبی صلی الله علیه وسلم الحجر